(۶۷)

مسلمان حکومتوں کی دین سے بے اعتنائی

(فرمودہ ۱۶/ نومبر ۱۹۲۸ء)

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

انسان کے راستہ میں مختلف قسم کی مشکلات پیش آتی رہتی ہیں اور ان کے دور کرنے کے لئے وہ مختلف قسم کی تدابیر اختیار کرتا ہے لیکن بعض دفعہ ان تدابیر کے اختیار کرنے میں وہ افراط و تفریط سے کام لیتا ہے اور بعض دفعہ صحیح رستہ پر چلتا ہے۔ جب وہ صحیح رستہ پر گامزن ہو تو اس کی کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ مگر جتنا جتنا وہ صحیح رستہ سے دور اور افراط و تفریط کے قریب ہوتا جائے گا اس کی کامیابی بھی مشکوک ہوتی چلی جائے گی۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کے لئے بہت سی مشکلات پیش آرہی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ دنیا میں جو بھی سیلاب آفات کا اٹھا ہے اس نے چاروں طرف گھوم کر انہی کے گھر ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔ گویا یہ ایک مقناطیس ہیں جو ہر مصیبت کے لوہے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ان کے ہاتھوں سے حکومتیں جاتی رہی ہیں پہلے تو ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ملک ان کے ہاتھوں سے نکل گئے ان کی طاقت کمزور ہو گئی اور پھر ان کی بعض مملکتیں غیروں کے ماتحت اور بعض ان کے اثر و نفوذ کے نیچے آگئیں۔ پھر حکومتوں کے زوال کے ساتھ ان کے اخلاق میں نقص آنے لگا وہ تعاون اور رواداری جو مل کر کام کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہے ان سے نکل گئی اور تہذیب کا وہ نقطہ جس پر وہ قائم تھے اس سے نیچے گر گئے۔ نہ ہمسایوں سے نیک سلوک کرنے کی طاقت ان میں رہی نہ اپنے خلاف خیالات سننے کی ہمت باقی رہی اور نہ ہی اجتماع کے موقع پر دوسروں کے احساسات کا احترام ان میں باقی رہا۔ غرض کہ تہذیب کے سب ستون گر گئے اور اس میدان میں بھی مسلمان دوسری اقوام سے پیچھے رہ گئے۔ اسی طرح تعلیم کے میدان میں بھی وہ گر گئے۔ وہ علوم جن کو ان کے

آباء واجداد نے بام ترقی تک پہنچایا تھا ان کے ہاتھ سے نکل کر غیر قوموں کے پاس چلے گئے۔ گویا ان کے آبائی بلکہ یوں کہو کہ ان کے فطری ورثہ کی نگرانی بھی غیروں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ کَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ اَخَذَهَا حَيْثُ وَجَدَهَا لے اچھی بات مؤمن کی اپنی چیز ہے جہاں مل جائے اسے لے لینی چاہئے۔ پس علوم دراصل مسلمان کا فطری ورثہ ہیں جیسے کہ آبائی ورثہ کیونکہ وہ مؤمن تھا اور علم مؤمن کی اپنی چیز ہے۔ مگر مسلمانوں کے اس آبائی بلکہ فطری ورثہ کے بھی دوسرے لوگ مالک ہو گئے۔ پھر اقتصادی طور پر وہ دوسروں کے غلام ہو گئے۔ صنعت و حرفت اور تجارت ان کے ہاتھ سے جاتی رہی بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ آہستہ آہستہ ان کے ہاتھوں سے محنت بھی جاتی رہی۔ زراعت جس میں ایک زمانہ میں مسلمانوں نے بہت ترقی کی تھی اور اسلامی ممالک میں کثرت سے نہریں کھودی گئی تھیں اور اس کی ترقی کے دوسرے سامان بھی مہیا کئے گئے تھے وہ بھی انہوں نے کھودی۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ جو قوم اپنی پہلی شان و شوکت بھی کھو بیٹھتی ہے وہ آئندہ ترقی نہیں کر سکتی اس لئے آئندہ کسی قسم کی ترقی تو درکنار وہ ہر بات میں دوسروں کا شکار ہونے لگ گئے۔ عملی طور پر وہ دوسروں کے نقال ہو گئے گویا انھوں نے بندروں کی صورت اختیار کرلی۔ سیاست میں اوروں کے غلام ہو گئے غرض کہ ہر میدان میں وہ پیچھے رہ گئے بلکہ ذلیل ہو گئے۔

مسلمانوں کا دعویٰ ہے کہ یہ قوم اللہ کی مقبول اور پیاری ہے اگر یہ صحیح ہے تو ماننا پڑے گا کہ ان کی اس رسوائی میں دنیاوی نقائص کے علاوہ دینی کمزوری کا بھی دخل ہے۔ جس قوم کو خدا تعالیٰ نے اپنے دین کا جھنڈا سپرد کیا ہو اسے وہ کبھی گرنے نہیں دیتا جب تک کہ وہ خود اپنے آپ کو غیر مستحق نہ ثابت کر دے پس اس میں دینی کمزوری کا بھی دخل ہے۔ یہ کہنا کہ یورپ نے انہی حالات میں ترقی کی ہے غلط ہے۔ ان کے ہاتھ میں توحید کی کنجی نہیں دی گئی تھی اس لئے یورپ یا جاپان یا چین تو دین سے تغافل برت کر ترقی کر سکتے ہیں مگر مسلمانوں کو جن کے سپرد توحید کی امانت کی گئی تھی دین سے غفلت پر شکست ملنی ضروری ہے تا وہ پھر خدا کی طرف لوٹیں۔ جیسے کوئی شخص اپنے بیٹے کی تو معمولی بات پر بھی ناراض ہوتا ہے اور اسے تنبیہ کرتا ہے اور اس کا نام تربیت رکھتا ہے۔ مگر کسی غیر شخص کی سخت کلامی کو برداشت کرلیتا ہے اور اس پر خاموشی اختیار کر کے اس کا نام اخلاق رکھتا ہے۔ اسی طرح جو قوم خدا تعالیٰ کے لئے بطور انصار کے تھی اس کی دینی کمزوری کے ساتھ اسے دنیوی سزا کا ملنا ضروری تھا۔ ایک صوفی نے لکھا ہے

میں اپنی نافرمانی کو اپنے گھوڑے کی نافرمانی میں دیکھ لیتا ہوں۔ یعنی جب میرا گھوڑا چلتے چلتے رکتا ہے اور میری اطاعت نہیں کرتا تو میں سمجھ لیتا ہوں کہ مجھ سے بھی خدا تعالیٰ کی کوئی نافرمانی ہو گئی ہے۔ بات یہ ہے جتنا خدا تعالیٰ سے تعلق زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی اس کے نتائج معمولی باتوں میں نظر آتے ہیں۔ نادان ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ کافروں کے گھوڑے تو گھوڑ دوڑوں میں دوڑتے ہیں مگر ایک صوفی کا گھوڑا کیوں اٹکتا ہے۔ صوفی کو خدا تعالیٰ ہر بات میں سبق دیتا ہے کیونکہ وہ اس کی طرف آرہا ہے اور اس کا محبوب بن رہا ہے مگر کافر چونکہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر الگ ہو گیا ہے اس لئے اس کے ہر فعل میں وہ جلوہ گر نہیں ہوتا۔ پس مسلمانوں کی اس ذلت میں یقیناً دینی کمزوری کا بھی دخل ہے۔ لیکن افسوس مسلمانوں نے اسے سمجھا نہیں اور جب بھی قدم اٹھایا غلط ہی اٹھایا۔ پہلے تو وہ افراد کے رنگ میں اٹھاتے تھے اب حکومت کے رنگ میں اٹھانے لگے ہیں اور وہ بھی غلط ہی اٹھا رہے ہیں۔ ترک یورپین اثر سے آزاد ہوئے۔ ہر مسلمان کو اس پر خوشی تھی مگر تھوڑے دنوں میں ہی انہوں نے بتا دیا کہ ان کی آزادی اسلامی احکام سے بھی آزادی تھی۔ آہستہ آہستہ انہوں نے مذہب اور حکومت کے تعلق کو توڑنا شروع کیا' پھر لباس میں تغیر شروع کیا' پھر عربی حروف چھوڑ کر ترکی الفاظ کو انگریزی میں لکھنا شروع کیا حالانکہ لاطینی زبان سے ان کے ملک کی ترقی کا کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ اس کا صرف یہی نتیجہ ہو گا کہ قوم اپنے آباء کے آثار سے غافل ہو جائے گی اور جس آسانی سے وہ پہلے قرآن پڑھ سکتے تھے اب نہیں پڑھ سکیں گے جیسے اردو جاننے والے کے لئے قرآن شریف پڑھنا ہندی جاننے والے کی نسبت آسان ہوتا ہے کیونکہ اردو کے حروف عربی حروف سے ہندی کی نسبت بہت زیادہ ملتے ہیں ان میں تھوڑا ہی فرق ہوتا ہے۔ عربی حروف کسی قدر ٹیڑھے کر کے لکھے جاتے ہیں پہلے تو ساری ترکی قوم قرآن پڑھ سکتی تھی مگر اب وہی پڑھ سکیں گے جو دوسری زبان سیکھیں گے اور دوسری زبان کا ساری قوم کے لئے سیکھنا مشکل ہوتا ہے۔ ہندوستان' ایران' افغانستان' مصر' عرب وغیرہ میں قرآن پڑھنے والے بہت ملیں گے مگر چین میں بہت کم ہوں گے کیونکہ چینی اور عربی حروف میں بہت فرق ہے اس لئے صرف عالم ہی سیکھ سکتے ہیں۔ تو انہوں نے عربی حروف کو مٹانے سے کوئی علم تو حاصل نہیں کیا مگر اسلام سے اپنا تعلق کم کر لیا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ حروف اسلام میں داخل نہیں لیکن جتنا عربی حروف کو مٹایا جائے گا قرآن کریم پڑھنے میں اتنی ہی دقتیں پیدا ہوتی جائیں گی اس کے خلاف فائدہ کوئی نہ ہو گا۔ تُرک لاکھ کہیں کہ

انھوں نے اس کے لئے کمیشن بٹھایا جس نے یہ فیصلہ کیا مگران کے دماغ کوئی خاص نہیں ہیں کہ جن دلائل کو وہ جانتے ہیں انھیں اور کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ان کی یہ حرکت محض نقل سے زیادہ کچھ نہیں۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہے جیسے کہ گنجے اپنے سر پر دوسرے بال لگا لیتے ہیں۔ یا جج Wig پہن لیتے ہیں اور اسے وقار کی علامت سمجھتے ہیں کیونکہ پرانے زمانہ میں لوگ لمبے بال رکھتے تھے یہ نقل ہے اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

اب یہ مرض دوسرے ممالک میں بھی پھیلنا شروع ہو گیا ہے آہستہ آہستہ افغانستان میں بھی جس کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ وہ سب سے آخر اس کا شکار ہو گا پھیلنا شروع ہو گیا ہے۔ وہاں بھی ہیٹ اور انگریزی لباس پہننے اور داڑھی منڈانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اب ایران میں بھی حکومت اس قسم کے قواعد بنا رہی ہے جس سے افسروں کے لئے انگریزی لباس پہننا ضروری ہو گا اور جو نہ پہنے وہ سزا کا مستحق ہو گا۔ اسی طرح یہ سکیم بھی زیر غور ہے کہ قدیم ایرانی حروف اختیار کر لئے جائیں نہ معلوم عربی نے کیا قصور کیا ہے حالانکہ ان کے آباء کا سارا لٹریچر اسی زبان میں ہے۔ قوموں کی ترقی ان کے آباء کی روایتوں پر منحصر ہوتی ہے۔ ان کی کتابیں عربی حروف میں لکھی ہوئی ہیں اب اگر عربی حروف کو مٹا دیا گیا تو آئندہ نسلیں ان کتابوں کو نہیں پڑھ سکیں گی اور اس طرح قرآن کریم سے وابستگی بھی کم ہو جائے گی۔ اور تعجب نہیں کہ تھوڑے عرصہ تک افغانستان میں بھی یہی سوال پیدا ہو جائے کہ عربی حروف کو مٹا دیا جائے۔ یہ کہنا کہ قرآن کریم بھی تو ان زبانوں میں لکھا جا سکتا ہے غلط ہے کیونکہ عربی میں بعض الفاظ ایسے ہیں جو دوسری زبانوں میں صحیح طور پر ادا نہیں ہو سکتے۔ مثلاً ض ہے یہ اور کسی زبان میں نہیں اگر قرآن کریم دوسری زبان میں لکھا جائے تو اس میں ضرور غلطی ہو گی۔ ز' ذ' ظ' ض کا فرق ان میں ادا نہیں کیا جا سکے گا۔ اور پھر اور ایک نقص یہ ہے کہ اس طرح وہ عالمگیر اتحاد جو عربی کے ذریعہ تمام دنیا کے مسلمانوں میں پایا جاتا تھا جاتا رہے گا۔ اول تو قرآن کریم کسی اور زبان میں لکھا ہی نہیں جا سکتا اور اگر لکھا جائے تو وہ غلط ہو گا۔ مثلاً انگریزی میں وَلَا الضَّآلِّيْنَ نہیں لکھا جا سکتا۔ وہاں یا تو ض کی جگہ د لکھا جائے گا۔ یا ڈ۔ اور ض میں جو چکر آتا ہے۔ وہ کسی طرح بھی ادا نہیں کیا جا سکے گا۔ عربی حروف کے مخارج کا فرق ہوتا ہے۔ ہر حرف کے الگ معنے ہوتے ہیں۔ ز' ذ' ظ' ض سب کے الگ الگ معنی ہیں لیکن اگر سب کو Z (زیڈ) سے لکھ دیا جائے تو کوئی فرق نہیں رہے گا اور کوئی نہیں سمجھ سکے گا کہ یہاں کون سے معنی لگتے ہیں۔ اور ممکن ہے کہ کوئی

کچھ کے کچھ معنی کر دے۔ پس عربی حروف مٹانے سے فائدہ تو کوئی نہیں ہو گا مگر اس سے قدیم اتحاد اسلام مٹ جائے گا۔ علوم کسی خاص زبان کو اختیار کرنے سے نہیں بلکہ سیکھنے اور محنت کرنے سے بڑھتے ہیں۔ جاپانیوں نے اپنی زبان کے حروف نہیں بدلے مگر پھر بھی انہوں نے اتنی ترقی کی ہے کہ ترک اور ایرانی ان کی برابری کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے۔ ان کے ممالک تو ابھی ریاستوں کی حیثیت رکھتے ہیں مگر جاپان ایک طاقت ہے۔ اگر جاپان نے اپنے حروف میں ترقی کر لی تو سمجھ میں نہیں آتا یہ لوگ عربی حروف کو قائم رکھ کر کیوں ترقی نہیں کر سکتے۔ پس ان کا یہ قدم غلط ہے اور فلسفہ اخلاق یا نفسیات کے لحاظ سے بھی غلط ہے۔ قومیں اس وقت ترقی کرتی ہیں جب ان پر قومیت کا رنگ ہو۔ دوسری قومیں تو قومیت کی خاطر قدیم باتوں کی طرف واپس جا رہی ہیں آئرلینڈ نے اپنی پرانی زبان کو رائج کر دیا ہے اور انگریزی کو مٹایا جا رہا ہے۔ گویا اس نے تو جن کا رعب اور دبدبہ تھا ان کی زبان کو مٹا کر قدیم زبان جاری کرنے کی کوشش کی مگر مسلمانوں نے ان کی زبان کو جاری کر دیا حالانکہ چاہئے تو یہ تھا کہ یہ قانون بناتے کہ آئندہ ہم خالص عربی حروف میں لکھیں گے تا لوگوں میں قومیت کا رنگ پیدا ہو۔ مگر بجائے اس کے ان کے اندر نقالی پیدا کی جا رہی ہے کہ جو یورپ والے کرتے ہیں وہی ٹھیک ہے اپنا سب کچھ چھوڑ دو اور یورپ کی تقلید شروع کر دو۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ وہ نسل جو نقل سے پیدا ہو گی وہ بندروں والی خاصیتیں تو بے شک رکھتی ہو گی مگر انسانوں جیسی نہیں رکھے گی۔ اور اس کا ملک ملک نہیں ہو گا بلکہ ایک تھیٹر ہو گا اس کی اپنی دماغی قابلیت کچھ نہیں ہو گی اور وہ کبھی ترقی نہیں کر سکے گی۔ محمد رسول اللہ ﷺ خدا تعالیٰ سے حکم پا کر کھڑے ہوئے تھے۔ آپؐ نے مسلمانوں میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے فرمایا ایرانی اور شامی داڑھیاں منڈاتے ہیں مسلمان رکھا کریں کیونکہ جس قوم کی نقل کی جائے اس کا نقل کرنے والی قوم پر ہمیشہ رعب رہتا ہے اس لئے جہاں تک جائز ہو ان کی مخالفت کرو تا یہ روح پیدا ہو کہ ہم ان سے کسی طرح کم نہیں۔ پس دیکھو اس روح نے ان لوگوں کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ وہ لوگ جو خود کہتے ہیں کہ ہم ڈاکے ڈالا کرتے تھے ان کے متعلق آج اکثر مخالف تسلیم کرتے ہیں کہ وہ سیاست اور علم میں بہت بڑھے ہوئے تھے اور ان کی یہ ترقی اسی روح کا نتیجہ تھی جو رسول کریم ﷺ نے ان میں پیدا کی بے شک یہ باتیں مذہب کا جزو نہیں لیکن قوم میں امنگ پیدا کرنے کے لئے بہت ضروری ہیں۔

اگر بادشاہ کسی خیال سے ہیٹ پہنے تو اور بات ہے لیکن یہ قانون پاس کرنا کہ سب لوگ

ہیٹ ہی پہنیں اور داڑھیاں منڈائیں نہایت مضحکہ خیز ہے۔ رسول کریم ﷺ نے مسلمان کو داڑھی رکھنے کا حکم دیا ہے عیسائی یا پارسی کو نہیں۔ پس اگر کسی کا عقیدہ ہے کہ پگڑی پہننی ضروری ہے تو اگرچہ عقیدہ غلط ہی ہو اسے ہیٹ پہننے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ بتوں کی پرستش سے بڑھ کر احمقانہ عقیدہ اور کیا ہو گا مگر وہ بھی کسی سے زبردستی چھڑانے کا مسلمان کو اختیار نہیں دیا گیا۔ پس اگر کسی مسلمان کا عقیدہ ہے کہ پگڑی باندھنا سنت ہے تو کسی کا حق نہیں کہ اس کو ہیٹ پہننے پر مجبور کرے۔ ہندوؤں نے علوم میں جو ترقی کی ہے وہ ایران اور افغانستان نے نہیں کی ان کے ڈاکٹر بوس سائنس میں اس قدر دسترس رکھتے ہیں کہ یورپ والے بھی ان کے آگے سر جھکاتے ہیں۔ پھر ہندوستان کے ہندو ترکوں سے دولت میں بھی زیادہ ہیں۔ ترکوں کی اپنی کوئی شپنگ ایجنسی نہیں مگر ہندوؤں کی ہے۔ ترکی کا کوئی بڑا بنک نہیں مگر ہندوؤں کے بڑے بڑے بنک ہیں۔ ان کے صنعت و حرفت کے کوئی کارخانے نہیں مگر ہندوؤں کے ہیں۔ ٹاٹا کمپنی یورپ کی کمپنیوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ غرض کہ ترک ہندوؤں سے کسی طرح بھی مقابلہ نہیں کر سکتے مگر ہندوؤں کے لیڈر اس قدر سادہ لباس میں ہوتے ہیں کہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ پنڈت مالویہ کا لباس نہایت سادہ ہوتا ہے سر پر معمولی دوپلی ٹوپی ہوتی ہے۔ یہی حال لالہ لاجپت رائے، مسٹر کیلکر اور ڈاکٹر مونجے کا ہے۔ ڈاکٹر مونجے کو دیکھ کر تو کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا کہ یہ کوئی بڑا لیڈر ہے۔ معمولی پٹی کا کوٹ اور دھوتی پہنتے ہیں۔ مگر یہ لوگ یورپ کا مقابلہ کر رہے ہیں اور یورپ ان کی طاقت کو آج تسلیم کرتا ہے۔ وہی گاندھی جو کسی زمانہ میں بہت اعلیٰ سوٹ پہنا کرتے تھے آج سوائے ایک دھجی کے ان کے بدن پر کوئی لباس نہیں مگر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان کے دماغ میں نقص ہے یا وہ فلسفہ نہیں سمجھ سکتے۔ جس قدر ولولہ ان کی دھوتی نے ہندوؤں میں پیدا کیا وہ کوٹ پتلون نہیں پیدا کر سکتے تھے۔ تو گو مثالیں موجود ہیں مگر افسوس مسلمانوں نے سبق حاصل نہیں کیا۔

میں نے پہلے ان امور کو دیکھا تو خیال کیا کہ یہ ترکوں پر مخالفین کے حملے ہیں۔ مگر جب تصدیق ہوئی تو پھر میں نے سمجھا کہ شاید یہ وبا ترکوں تک ہی محدود رہے مگر اب دوسروں تک اس کے اثر کو دیکھ کر میں نے مناسب سمجھا کہ اپنی رائے اس کے متعلق بیان کر دوں۔ اور جہاں جہاں تک ہماری آواز سنی جائے ہم بتا دیں کہ یہ رستے ترقی کے نہیں۔ ترقی کے لئے اسلام کی طرف توجہ کی ضرورت ہے اور اسلام میں جو ظاہری اتحاد ہے اسے مٹانا کسی مسلمان حکومت

کے لئے مفید نہیں ہو سکتا۔ اس وقت اسلامی حکومتوں میں سے سوائے نجد کے کہیں اسلام نظر نہیں آتا میں نجدیوں کے مقابر کو گرانے یا دوسرے مظالم کو کٹر حنفیوں کی طرح ہی حقارت کی نظر سے دیکھتا ہوں مگر بہرحال نسبت اسلام کو قائم اور برقرار رکھنے کے لئے ان کی کوشش ضرور قابل قدر ہے۔ مخالفین ہنس رہے ہیں کہ مسلمانوں نے قرآن کے معنوں پر عمل تو پہلے ہی چھوڑ رکھا تھا اب اسکے الفاظ کو بھی چھوڑ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ اپنی غلطیوں کو سمجھ سکیں اور ان کے بد نتائج سے محفوظ رہ سکیں۔

(الفضل ۲۳/ نومبر ۱۹۲۸ء)

۱۔ ترمذی۔ ابواب العلم باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ۔ میں حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں۔
"الکلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیث وجدھا فھو احق بھا۔"